

مکاتیب

(۱)

محترم ابوعمار زابد الراشدی صاحب
السلام علیکم

امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔ الشریعہ جون ۲۰۰۸ء کے شمارے میں ”غامدی صاحب کا تصور سنت“ کے عنوان سے استاذ محترم جاوید احمد صاحب غامدی کے افکار پر آپ کی تنقید و تبصرہ دیکھنے کا موقع ملا۔ اصحاب المورود جب بھی اپنے پیش کردہ افکار پر کسی جید عالم کی طرف سے کوئی تنقید و تبصرہ دیکھتے ہیں تو تہہ دل سے اُن کے شکر گزار ہوتے اور یہ امید کرتے ہیں کہ علما کی یہ توجہ اُن کے لیے رہنمائی کی باعث ہوگی۔ چونکہ آپ نے راقم الحروف کی ایک تحریر کو غامدی صاحب کی فکر پر بحث کرنے کا ذریعہ بنایا ہے، اس لیے میں آپ کی اس حوصلہ افزائی سے ہمت پاتے ہوئے، آپ کی تنقید و تجزیے کے بارے میں کچھ گزارشات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

۱۔ آپ نے ایسا کیوں مناسب سمجھا کہ قرآن، سنت اور حدیث (اسوہ رسول اور دین کی تفہیم و تمہین)، ان سب کے بارے میں غامدی صاحب کا موقف، جو ان کی کتاب ”میزان“ میں تفصیل سے لکھا ہوا ہے اور یہ کتاب آپ کو میسر بھی ہے، اُن کی کتاب کے بجائے ان کے ایک رفیق کار کی طرف سے کسی سوال کے جواب میں لکھی جانے والی تحریر سے اخذ کیا جائے؟ سوال کا جواب تو لازماً سوال کے زاویے اور اس کے دائرے کی محدودیت کے ساتھ وجود میں آتا ہے، اور کسی مخصوص سوال کے جواب میں مسئلے کے تمام پہلوؤں کا احاطہ مقصود نہیں ہوتا۔

۲۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ استاذ محترم ”سنت“ کی تعریف میں عام رائے سے اختلاف کرتے ہیں، لیکن یہ محض اصطلاح کا اختلاف ہے۔ عام طور پر سنت کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تشریع کے طور پر قرآن کے علاوہ جو قول فعل یا تقریر صادر ہوئی، وہ سنت ہے“۔ اس تعریف کے مطابق اعمال سنن، آپ کی بیان کردہ تفہیم و تمہین اور آپ کا اسوہ سب کچھ سنت شمار ہوتا ہے۔ جب کہ غامدی صاحب ”سنت“ کا اطلاق دین کے ان مستقل بالذات احکام پر کرتے ہیں جن کی ابتدا قرآن سے نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ دین سے متعلق احادیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے، اسے وہ دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱۔ قرآن و سنت کی تفہیم و تمہین

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ

ان دو چیزوں کو وہ سنت کی اصطلاح کے تحت نہیں لاتے، بلکہ انھیں وہ تفہیم و تمہین اور اسوہ کے الفاظ سے بیان کرتے ہیں اور ان کے بارے میں ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ

”تفہیم و تمہین اور اسوہ کے (دائرے کے اندر، البتہ اس (حدیث) کی حجت ہر اس شخص پر قائم ہو جاتی ہے جو اس کی صحت پر مطمئن ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل یا تقریر و تصویب کی حیثیت سے اسے قبول کر لیتا ہے۔ اس سے انحراف پھر اس کے لیے جائز نہیں رہتا، بلکہ ضروری ہو جاتا ہے کہ آپ کا کوئی حکم یا فیصلہ اگر اس میں بیان کیا گیا ہے تو اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔“

(اصول و مبادی، ص ۱۵)

سوال یہ ہے کہ کیا غامدی صاحب نے واضح طور پر ”سنت“ کے علاوہ احادیث میں بیان ہونے والی تفہیم و تمہین اور آپ کے اسوے کی حجت کو پوری طرح سے تسلیم نہیں کیا؟ اگر تسلیم کیا ہے تو پھر آپ نے چھ نکات کی صورت میں غامدی صاحب پر جو اعتراضات بیان فرمائے ہیں، وہ بالکل وارد نہیں ہوتے۔

۳۔ آپ نے غامدی صاحب کی تعریف سنت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ:

”جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حاکم، قاضی، کمانڈر اور ڈپلومیٹ وغیرہ کے طور پر جو کچھ کیا ہے اور جو کچھ فرمایا ہے، وہ بھی سنت کے مفہوم سے خارج ہے۔“

ہمارا سوال یہ ہے کہ قضا و تشریع میں فرق تو علمائے امت نے ہمیشہ کیا ہے۔ یہی فرق غامدی صاحب بھی کر رہے ہیں، اور اسی لیے وہ قضا سے متعلق امور کو ”سنت“ میں نہیں لاتے۔

۴۔ آپ نے ایمان بالقدر اور مسلمانوں کے جہنم سے نکلنے کے بارے میں جو احادیث بیان کی ہیں، غامدی صاحب انھیں اسی طرح قبول کرتے ہیں جیسے آپ کر رہے ہیں۔ اس معاملے میں وہ آپ سے مختلف نہیں ہیں، لہذا اس حوالے سے بھی ان پر اعتراض سمجھ میں نہیں آتا۔

۵۔ آپ نے غامدی صاحب کی اس رائے کو کہ سیدنا مسیح علیہ السلام کو وفات دینے کے بعد آسمان کی طرف اٹھایا گیا تھا، حدیث کو حجت تسلیم نہ کرنے کا نتیجہ قرار دیا ہے، حالانکہ یہ اختلاف دراصل ’متوفیک‘ کی تفسیر پر مبنی ہے۔ اگر ’متوفیک‘ کی وضاحت کسی حدیث میں موجود ہوتی اور غامدی صاحب اس کی نسبت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت مانتے ہوئے اس سے اختلاف کرتے تو آپ کا اعتراض درست قرار دیا جاسکتا تھا، لیکن کیا کوئی ایسی مستند حدیث موجود ہے جس میں ’متوفیک‘ کی تفسیر کرتے ہوئے یا ویسے بطور ایک واقعہ کے یہ بات کہی گئی ہو کہ مسیح علیہ السلام کو زندہ اٹھایا گیا تھا؟

محمد رفیع مفتی

ریسرچ فیلو، المود

(۲)

محترم جناب عمار خان ناصر صاحب
السلام علیکم

_____ ماہنامہ الشریعہ (۳۱) اگست ۲۰۰۸ _____